از افادات حضرت مولانا شمس الحق افغانی
شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور

قرآن کریم کا اعجاز اور صدق نبوت

اگر ضبط و ترتیب میں کچھ خامی رہ گئی ہو تو اسے مرتب کی جانب منسوب کیا جائے۔

اب تک ہم نے ضرورت وحی پر دس دلائل پیش کئے ہیں۔ اب ہم انشاء اللہ اپنے مفروضہ کے دوسرے جزء القرآن وحی (قرآن وحی ہے) پر بھی دس دلائل پیش کریں گے۔ اس کا نام ہم نے صداقت قرآن اور اعجاز قرآن رکھا ہے۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ قرآن وحی الٰہی ہے۔ یہ خدا کا کلام ہے۔ دیگر خدائی کتابیں بھی تھیں مگر تحریف و الحاق کی وجہ سے کلام الٰہی نہ رہیں۔ اب کلام الٰہی صرف قرآن مجید ہے۔

۱۔ دلیل تحدی یا بلاغی

قرآن کریم نے بھی اپنی صداقت و اعجاز پر اس دلیل کو پیش کیا ہے۔ لہٰذا تبرکاً اس سے ابتدا کی جاتی ہے۔ گو یہ برہان قرآن مجید میں موجود ہے۔ مگر مفسرین نے اسکی تشریح پوری طرح نہیں کی۔ مختصراً ہم اسکو بیان کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے:

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فأتوا بسورة من مثله وادعوا شهداء كم من دون الله ان كنتم صادقين۔

اگر تم شک میں ہو اس کلام سے جو اتارا ہم نے اپنے بندہ پر تو لے آؤ ایک سورۃ اس جیسی اور بلاؤ اس کو جو تمہارا مددگار ہو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔ (شیخ الہند)

اس دلیل کی تفصیل یہ ہے کہ ہمارا دعویٰ ہے کہ قرآن کریم کلام اللہ ہے۔ انسان کا نہیں۔ یعنی مومنین

کہتے ہیں کہ یہ کلام الٰہی ہے۔ اور منکرین اسے انسانی کلام کہتے ہیں۔ جیسے قرآن میں ہے ۔۔ ان ھذا الا قول البشر۔ (نہیں ہے یہ کلام مگر قول انسان کا۔)

اس کے علاوہ اور کوئی تیسری بات نہیں ہو سکتی یا تو خالق بشر کا قول ہے یا بشر کا۔ منکرین اسلام اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہ کلام محمدی ہے اعجاز قرآن کے بارہ میں۔ علامہ خطابی اور علامہ رمانی، امام رازی، عبدالقادر جرجانی، علامہ باقلانی نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ علاوہ ازیں تفسیر کشاف، تفسیر کبیر، روح المعانی میں اعجاز قرآن پر مختلف مقامات میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ امام سیوطی فرماتے ہیں کہ اعجاز القرآن پر سب سے بہتر کتاب امام ابوبکر باقلانی کی ہے۔ امام باقلانی نے اعجاز قرآن سے بحث کی ہے، مگر اس زمانہ میں ان کے دلائل کامیاب نہیں ہو سکتے، کیونکہ دلائل زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں جبکہ اصل وجہ ذوق کی تبدیلی ہے اور حقیقت تو یہ ہے، کہ ہدایت دلیل سے نہیں، فیضان الٰہی سے ہوتی ہے، اکبر مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ۔۔

خدا کی ہدایت کرتی ہے نور یقین پیدا دلیلوں کی رسائی نقطہ وہم و گماں تک ہے

یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ کلام الٰہی و انسانی کے علاوہ قرآن کریم کلام جنات بھی تو ہو سکتا ہے مگر ہمارے ان دلائل کا مخاطب جدید طبقہ ہے اور یہ لوگ وغیرہ جن کو مانتے نہیں اگر وہ اقرار کرلیں تو ان سے کہیں گے کہ لاؤ جن کا کوئی کلام جو قرآن کریم کا مقابلہ کر سکے۔

الغرض اس فیصلہ کے لئے کہ یہ کلام الٰہی ہے یا مخلوق کا کلام، ضرور کوئی معیار تمیز ہونا چاہیے۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ اس عالم میں مختلف قسم کی چیزیں موجود ہیں، ہمارے سامنے موٹر، سائیکل، گاڑی، مشینری، مصنوعات انسانی ہیں۔ یعنی منسوب الی الانسان اور کچھ ایسی چیزیں بھی ہیں جو مصنوع خالق ہیں۔ جیسے آفتاب و ماہتاب یہ منسوب الی اللہ ہیں۔ آخر ان دونوں مصنوعات میں کوئی معیار تمیز تلاش کرنا چاہیے۔ تو تحقیق سے معلوم ہوتا ہے، کہ مصنوعات الٰہی کے بنانے سے انسان عاجز ہے۔ مثلاً ابھی تک اور نہ مستقبل میں کوئی امید ہے کہ ایسی مشین بن جائے یا کارخانہ لگ جائے۔ جہاں سے سورج اور چاند بنتے اور فروخت ہوتے ہوں۔ یا کسی کارخانہ میں سمندر یا کرۂ ارض بن رہا ہو۔ تو معلوم ہوا کہ معیار تمیز عجز ہے۔ یعنی مافوق القدرت کام خدا کا ہے اور ماتحت القدرت کام انسان کا ہے۔ یہی ضابطہ اب بھی ہے۔ اگر کلام دائرۂ انسان سے خارج ہو جائے تو ضرور دائرہ الٰہی میں داخل ہوگا۔ تو اب کلام کے متعلق ان امور کی ضرورت ہے۔

۱۔ قدرت ۲۔ مادہ ترکیبہ ۳۔ انموذج ۴۔ محرک

قدرت | اگر ہمیں ایک میز بنانی ہے اور ایک ایسے آدمی کو کہا جائے کہ میز بناؤ جو نجار نہیں،

تو وہ اسکی قدرت نہ رکھنے کی وجہ سے عاجز ہوگا۔

مادہ ترکیبیہ | مثلاً بڑھئی کو کہیں کہ ہوا سے میز بناؤ، تو وہ میز بنانے پر تو قادر ہے مگر ہوا اسکی مادہ ترکیبیہ نہیں اس لئے میز بنانے سے عاجز ہوگا۔

انموذج | مثلاً درزی کو کپڑا دیا گیا اسے قدرت بھی ہے۔ مادہ ترکیبیہ (کپڑا) بھی دیا گیا ہے۔ لیکن نمونہ نہیں دیا گیا، اور کہا گیا کہ کوٹ بناؤ تو بوجہ نمونہ نہ ہونے کے وہ درزی کوٹ تیار کرنے سے عاجز ہوگا۔

محرک | چوتھی شرط محرک ہے، یعنی بغیر محرک اور موجب کے کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ مثلاً ایک نجار نجاری کرتے کرتے امیر بن گیا ہے، اور اس نے کارخانہ قائم کر دیا ہے۔ تو اسے اگر کہا جائے کہ تم میز تیار کرو جبکہ اسے قدرت بھی ہے، مادہ ترکیبیہ بھی ہے، انموذج بھی ہے۔ لیکن محرک یعنی حاجت نہیں تو اس کے فقدان کی وجہ سے وہ چیز نہیں بنائے گا۔ ایسے ہی درزی کو لیجئے، اسے کپڑا دیا جاتا ہے، کپڑا سینے پر اسے قدرت بھی حاصل ہے، مگر کروڑپتی ہے، اس لئے محرک موجود نہیں ہے تو کپڑا نہیں سیئے گا۔

اب برہان تحدی کو لیجئے، ہم ان شرائط کا انطباق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پہلی شرط قدرت ہے کلام الٰہی جب نازل ہوا تو بلغائے عرب کو چیلنج کیا گیا کہ اگر تمہیں اس کے بارہ میں شک وشبہ ہو تو اس جیسا کوئی کلام پیش کرو۔

اب سوال یہ ہے کہ انہیں قدرت کلام پر حاصل تھی یا نہیں۔ یقینی بات ہے کہ ان کو بے مثال فصاحت و بلاغت حاصل تھی اور ان کے عرب نام پڑ جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عرب اظہار مافی الضمیر پر کمال قدرت کی وجہ سے اپنے کو عرب اور دوسروں کو عجم یعنی گونگا کہتے ہیں اور اپنی فصاحت وبلاغت کا دعویٰ کرتے اور اس کا چیلنج بھی کرتے تھے۔ مثلاً انہوں نے خانہ کعبہ میں سبعہ معلقات لٹکائے ہوئے تھے اور چیلنج دیا ہوا تھا کہ کوئی ان کا جواب لائے، مگر دنیا ان معلقات کا جواب نہ دے سکی تو معلوم ہوا کہ وہ قادر علی الکلام تھے۔ ان معلقات میں سے پہلا قصیدہ امرا القیس کا ہے۔ اور عربی زبان کا چوٹی کا قصیدہ سمجھا جاتا ہے۔ ان معلقات میں سے ایک قصیدہ لبیدؓ بن ربیعہ کا ہے۔ لبیدؓ کی عمر ایک سو ساٹھ برس کی ہوئی، اسی سال کفر میں گزارے اور اسی سال بحالت ایمان۔ مگر لبیدؓ نے بحالت اسلام یعنی اپنی زندگی کے آخری اسی برس ایک شعر بھی نہیں کہا۔ جب اس سے وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا، ستحییت من القرآن۔ (مجھے قرآن کریم کے ہوتے ہوئے شعر کہنے سے شرم آتی ہے) —— وہ کہتا تھا کہ میرا کلام اس قرآن کے مقابلہ میں کس شان اور قدر کا ہو سکتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ انہیں قدرت حاصل تھی اور انہیں کسی بڑی سورت کے برابر نہیں بلکہ ایک چھوٹی سے چھوٹی سورۃ جو تین آیت کی ہو جیسے انا اعطینٰک الکوثر۔ کے برابر بنانے کو کہا گیا۔

پھر ان فصحاء و بلغاء کے مقابلہ میں آپ امی تھے، انہوں نے رسمی علم نہیں حاصل کیا۔ شعر و شاعری سے ہمیشہ الگ تھلگ رہتے اور آپ کو ایسی شہرت حاصل ہوئی کہ دنیا کو اعتراف ہے۔ باوجودیکہ آپ نے کبھی شعر نہیں کہا، جیسے کہ وہی کار ہنے والا جس نے نہ کبھی پڑھا ہو اور نہ کبھی شعر کہا ہو۔ اس کا غالب سے مقابلہ کیا جائے تو ظاہر ہے کہ غالب میں قدرت اور قوت کلام زیادہ ہے اور جس نے شعر نہیں کہا اسکو بغیر کہنے کی قدرت ہی نہیں۔ اسی طرح سے مخالفین میں قدرت اور قوت کلام بہت زیادہ تھی۔

مادہ ترکیب | قرآن کی عبارت اسی مسالہ سے بنی ہے جو مسالہ ان کے پاس بھی تھا جیسے نجار کے پاس میز بنانے کے لئے لکڑی ہوتی ہے، یا لوہار کے پاس لوہا۔ عربی کے حروف ہجا ۲۸ یا ۲۹ ہیں اور یہی کلام عرب کا مسالہ اور مادہ ہیں۔ ان سے ہی قرآن کی عبارت بنی ہے۔ اور اس مادہ سے تمام عرب اپنا کلام بناتے تھے۔ قرآن کریم کے پاس بھی یہی مادہ تھا۔

نمونہ | ان کفار قریش کے سامنے نمونہ بھی موجود تھا۔ جب قرآن پاک نازل ہوتا تو انہیں پڑھ کر سنا دیا جاتا۔ اور خود قرآن نے یہ حکم دیا تھا کہ بلّغ ما اُنزل الیک - اے رسول جو کچھ تیری طرف نازل کیا گیا اسے پہنچا دیجیے۔

محرک | یقینی بات ہے کہ کفار کے پاس محرک بھی موجود تھا۔ قرآن پر ایمان نہ لانے اور انکار کرنے والوں میں جنگ جاری تھی۔ مومنین اسکو حق اور منکرین باطل چیز سمجھتے تھے۔ فتح و شکست، کامیابی اور ناکامی کا مدار صرف یہی رکھا گیا تھا کہ منکرین جب اس قرآن پاک کی ایک سطر کے برابر بنالیں تو منکرین فاتح سمجھے جائیں گے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی کو چیلنج کیا جائے تو بدن میں ایک آگ سی لگ جاتی ہے۔ اور فصحائے عرب جو ترکیب کلام میں اپنی نظیر کسی کو نہیں سمجھتے تھے، جب ان کے سامنے قرآن پاک کا دندان شکن چیلنج پیش ہوا ہوگا تو ان کو کیسی آگ لگ گئی ہوگی، اور یقیناً کوشش کی ہوگی کہ اس کا توڑ پیش کیا جائے۔ لیکن آجتک کسی سے اس کا جواب نہ بن سکا۔

آج یورپ و امریکہ تو ایجادات کی دنیا میں آسمان پر اڑتے ہیں۔ اور عربوں سے زیادہ اسلام کے دشمن لیکن یہ ناممکن ہے کہ تین آیات قرآن پاک جیسی پیش کر سکیں۔ جسطرح قاعدہ ہے، کہ مصنوعات الٰہی قدرت انسانی سے خالی ہیں کہ انہیں وہ بنا سکے۔ اسطرح کلام الٰہی بھی انسانی قدرت (معاذ اللہ) سے باہر ہے ——

معترضین کے اعتراضات | عیسائی پادریوں خصوصاً پادری فنڈرے اور سکاٹ نے آفتاب قرآن پر دھول ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ کہ فصحاء و بلغاء عرب قرآن پاک کی مثل لانے پر قادر

تھے مگر انہوں نے ایسا کیا نہیں۔ اور نہ بنانے سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ بنا نہیں سکتے تھے مگر یہ بات ان کی مکاریوں میں سے ایک مکاری ہے۔ کیونکہ ایسے مواقع کثرت سے آتے ہیں کہ جہاں نہ بنانا اور نہ بنا سکنا دونوں ایک ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ایک لق و دق میدان میں ایک شخص پیاس کی شدت سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے اور دوسرا آدمی کہے کہ اس کے پاس مشک میں پانی موجود تھا۔ مگر اس نے پینا نہیں چاہا تو یہ دعویٰ قطعاً غلط ہوگا اور یہ کہا جائے گا کہ وہ آدمی پانی پی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ پانی موجود ہی نہ تھا، یہ غلط ہے کہ وہ چاہتا تو پی لیتا مگر اس نے پیا نہیں، کیونکہ اسی پیاس ہی کی وجہ سے تو اس کی جان جا رہی تھی، اور ایسی شدید ضرورت کے علاوہ پانی کس کام کے لئے ہوگا۔ اب یقینی بات ہے کہ جو محرک اس پیاسے آدمی کے حق میں موجود ہے، ایسا محرک فصحائے عرب میں بھی موجود تھا، ان فصحاء اور بلغاء کفار عرب کی قرآن پاک سے مقابلہ کی دو صورتیں تھیں ایک مشکل اور ایک آسان صورت ـــــ آسان صورت تو یہ تھی کہ کم از کم ـــ انا اعطیناک کے مقابلہ کی کوئی آیت پیش کردو۔ یہ مقابلہ لسانیہ (زبانی مقابلہ) تھا۔ اور آسان ترین تھا، رہی مشکل صورت تو وہ تھا مقابلہ سنانیہ یعنی تیر و تلوار سے مقابلہ کرنا، جیسے جنگ بدر، احد، خندق میں ہوا۔ اس مقابلہ میں ان کے اموال اور جان کا نقصان ہوا۔ اور انہیں سفر کی تکلیف بھی اٹھانی پڑی، تو یقینی بات ہے کہ یہ مقابلہ مشکل تھا بہ نسبت مقابلۂ لسانیہ کے جو آسان تھا۔ ان کا مقصد آسان طریقہ سے حاصل ہو سکتا تھا۔ مگر انہوں نے اسے اختیار کرنے کی بجائے مشکل کو اختیار کیا۔ آخر کیوں۔؟ ظاہر بات ہے کہ اول طریقہ سے جو ظاہراً آسان مگر درحقیقت ناممکن تھا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اور ثانیاً جو ظاہراً مشکل مگر درحقیقت ممکن تھا، اس سے مقابلہ کیا۔ اور ناممکن پر ممکن کو ترجیح دی۔ تو ظاہر ہے کہ درحقیقت مقابلہ سے عاجز تھے اور اس معیار کا کلام نہیں بنا سکتے تھے۔ یہ بات نہیں کہ انہوں نے سہل کو صعب پر ترجیح دی۔ اور نہ ہی کوئی عقلمند انسان ایسا کر سکتا ہے۔

عیسائیوں نے دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ ممکن ہے کہ انہوں نے قرآن کے توڑ کی عبارت تو بنائی ہو مگر ہم تک نہ پہنچی ہو۔ ان کا یہ جواب بھی احمقانہ ہے، کیونکہ جس زمانہ میں قرآن پاک نازل ہوا تھا اس زمانہ سے اب تک اس کے مخالفین کی تعداد موافقین سے بہت زیادہ ہے۔ موافقین قرآن نے تو قرآن پاک ہم تک پہنچایا اور مخالفین قرآن کا توڑ ہم تک نہ پہنچا سکے۔ جب مقصود اسہل طریق سے حاصل ہو سکے تو پھر اصعب طریق کو کیوں اختیار کیا جائے ـــ معلوم ہوا کہ مقابلہ کی ضرورت اور احساس ان کو بہت تھا۔ لیکن معارضہ سے عاجز تھے۔ اس وجہ سے دوسرے طریقے اختیار کئے اور معارضہ نہ کیا۔ باقی رہا یہ اعتراض کہ ہم تک رسائی نہیں ہوئی تو یہ پادری فنڈر اور سکاٹ کی بیوقوفی ہے۔ کیونکہ ناقل تو فرشتے نہ تھے بلکہ انسان تھے۔ نزول قرآن کے وقت

دو گروہ موجود تھے۔ ایک مومنین کا اور دوسرا کافروں کا ـــــ اور قاعدہ یہ ہے کہ حق کے ماننے والے بہت تھوڑے ہوا کرتے ہیں۔ آج بھی مسلمانوں کی نسبت غیر مسلم زیادہ ہیں۔ اور پھر اس زمانے میں تو مسلمانوں کی حالت ایسی تھی جیسے آٹے میں نمک۔ تو جب قرآن کی رسائی ہوئی تو غیر قرآن کی رسائی اتنی کثرت کے باوجود کیسے نہ ہوگی۔ معلوم ہوا کہ معارضہ سرے سے انہوں نے کیا ہی نہیں ـــــ مسلمان تو بے تعصب ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ جن لوگوں نے قرآن پاک کا معارضہ کیا جیسے مسیلمہ کذاب۔ متنبی اور ابن راوندی ـــــ اور یہ تک بندی مسلمانوں ہی کے دور حکومت میں ہوئی۔ ابن راوندی نے جو کتاب قرآن پاک کے مقابلہ میں لکھی بغداد میں لکھی جو مسلمانوں ہی کی سلطنت ہے۔ اور مسلمان اسے کوئی سزا نہیں دیتا۔ بلکہ مسلمان خود دوسروں کے معارضے ذکر کرتے ہیں تو پھر یہ کہنا کہ ہم تک رسائی نہیں ہوئی بڑی بیوقوفی کی بات ہے۔ مثال کے لئے ملاحظہ ہو کتاب الحیوان للجاحظ بحث ضفدع اور مصطفیٰ صادق کی کتاب "اعجاز القرآن"۔

ہندوستان کے آریہ سماج یعنی ہندوؤں کے روشن خیال طبقہ نے اعتراض کیا کہ کیا فیضی نے قرآن نہیں بنایا اور یہ دیانند سرسوتی نے ستیارتھ پرکاش میں لکھا ہے۔ مگر دیانند کی بے علمی کو دیکھئے کہ فیضی نے جو کچھ لکھا ہے وہ قرآن پاک کی بے نقط تفسیر لکھی ہے جس کا نام سواطع الالہام ہے۔ اور تفسیر کو قرآن پر مبنی کیا ہے۔ بے نقط الفاظ ہیں جس کا ایک نمونہ مقامات حریری میں موجود ہے۔ تو ہم دیانند سے پوچھتے ہیں کہ اگر تم بھی اسکو کر سکتے ہو تو کیوں نہیں کیا۔ غرض فیضی کی طرف یہ منسوب کرنا کہ اس نے نظیر پیش کی ہے، سراسر بہتان ہے۔ کیونکہ فیضی کی عبارت سے صاف ظاہر ہے، خود وہ کہتے ہیں کہ قرآن ایک سمندر بے کنارہ ہے[۱]

اس سلسلہ میں مسیلمہ کذاب نے جو آیات بنائیں ہم اہل علم کی خاطر اسکی تک بندی کا بھی یہاں ایک نمونہ پیش کرتے ہیں۔ مثلاً اس نے سورۃ فیل بنائی اسکی عبارت یہ ہے: الفیل ما الفیل وما ادراک ما الفیل لہ ذنب وبیل وخرطوم طویل۔ قاعدہ بلاغیہ یہ ہے کہ تکرار لفظ ما سے مقصود ایک ایسی چیز کی تفتیش ہوتی ہے جو مافوق العقل ہو۔ حالانکہ ہاتھی تو ہم روزمرہ دیکھتے ہیں۔ دوم یہ کہ لہ ذنب وبیل۔ کہ اس کے لئے خطرناک دم ہے۔ تو اسکی دم میں کیا خطرہ ہے۔ وہ تو اپنی دم سے مکھی کو بھی نہیں ہٹا سکتا۔ اور خرطوم طویل کا کہنا بے فائدہ ہے۔ کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ ہاتھی کا خرطوم لمبا ہوتا ہے۔

دوسری عبارت اس نے سورۃ ذاریات کی طرح بنائی: والباذرات زرعاً فالحاصدات حصداً والذاریات قمحاً فالعاجنات عجناً فالخابزات خبزاً فلاقمات لقماً۔

۱۔ دیباچہ سواطع الالہام میں لکھا ہے، علم کلام اللہ ولما لاساحل لہ (؟) لا سلک لکل احد ارادوصلہ وحمدہ ولما وصل وکل احد ارادحدہ حلہ وما ادرک لاحد لحامدہ ولاحد لمکارمہ

جاحظ نے بھی کتاب الحیوان کی بحث ضفدع میں مسیلمہ کی نقالی کی ہے کہتے ہیں: یاضفدع بنت ضفدعین نقی ما تنقین نصفک فی الماء ونصفک فی الطین لا الماء تکدرین ولا الشارب تمنعین۔

متنبی نے بھی اپنا ایک قرآن بنایا: والنجم السیار والفلک الدوار واللیل والنهار ان الکافر لفی اخطار ـــــ ابن راوندی جو مشہور زندیق ہے۔ یہودیوں سے پیسے لیتا تھا اور قرآن پاک کا مقابلہ کرتا تھا۔ ابوالعلاء خود زندیق ہے۔ لیکن اس کے متعلق کہتے ہیں: تاجہ لا یصلح ان یقال لہ نعلاً۔ اس کا تاج نعل کہلانے کا بھی مستحق نہیں۔

اب لوگوں نے دیکھ لیا کہ مذکورہ بالا تک بندی سے انسان کو کیا فائدہ ہوا۔ کچھ بھی نہیں۔ حالانکہ قرآن پاک کے نزول کا مقصد رغبت الی اللہ اور اصلاح خلق ہے۔

مرزا قادیانی نے بھی وحی بنائی ہے وہ حقیقت الوحی میں کہتے ہیں: اخبرنی ربی ان الکرام پشاوری یہلک فی ثلث سنۃ۔ میرے رب نے مجھے اطلاع دی ہے کہ کرام پشاوری اگلے تین سالوں میں ہلاک ہو گا۔

یہ عبارت نحو کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ ایک تو عربی میں (پ) نہیں آتی۔ دوسرا یہ کہ ثلث عدد اقل ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ عدد اقل کی تمیز جمع ـــــ آتی ہے تو ثلث سنوات یا سنین ہونا چاہئے تھا۔ مرزائیوں نے جب یہ دیکھا تو کہا کہ ہمارے پیغمبر کی وحی گرامر اور نحو کی پابند نہیں۔ ایک دفعہ آریوں کے پنڈت رام چندر دہلوی کے ساتھ میرا مناظرہ ہوا۔ اس نے کہا کہ میں نے قرآن کا توڑ بنایا ہے۔ میں نے پیش کرنے کو کہا تو اس نے القارعۃ ما القارعۃ کے وزن پر الرحمان ما الرحمان وما ادراک ما الرحمان الا السلطان۔ عوام بیچارے اس کے حقیقی جواب کو کب جان سکتے تھے اس لئے میں نے کہا اس میں ایک کمی رہ گئی ہے۔ اگر وہ شامل ہو جائے تو توڑ مکمل ہو جائے۔ پوچھا، وہ کیا۔ میں نے کہا: الا السلطان رام چندر کی دوکان۔

بعض مستشرقین نے امرؤ القیس کے معلقہ کو پیش کیا کہ اگر قرآن بے نظیر ہو تو معلقہ بھی بے نظیر۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ ابوبکر باقلانی کی کتاب الاعجاز کو مطالعہ فرمائیے۔ سبعہ معلقہ کے سب شاعر کافر تھے۔ صرف لبیدؓ بعد میں ایمان لایا۔ ان شعرا نے معلقے بنائے تھے اور بے نظیر ہونے کی وجہ سے کعبہ پر لٹکائے گئے تھے۔ کیونکہ اس زمانہ میں یہ رواج اور قاعدہ تھا کہ جو شاعر شعر بناتا تھا تو چیلنج کے طور پر خانہ کعبہ کے دروازہ پر لٹکایا جاتا تھا۔ قرآن پاک کے نزول کے وقت سات معلقے کعبہ کے دروازے پر

لٹکائے گئے تھے۔ جب قرآن پاک نازل ہوا تو یہ سب کے سب اتارے گئے بجز معلقہ امرأالقیس کے کہ امرأالقیس کی بہن نے اس کے اتارنے سے انکار کیا اور اسے رہنے دیا مگر جب دو آیتیں یا ارض ابلعی ماءک ویا سماء اقلعی ۔ امرالقیس کی بہن نے سنیں تو پھر خود جاکر امرالقیس کے معلقہ کو اتارا۔ اور کہا کہ ایسی آیات کے بعد معلقہ کا لٹکا رکھنا بڑی بے حیائی ہے۔ ایک انگریز نے اس آیت کا ترجمہ کیا اور کہا کہ یقیناً یہ قرآن پاک کسی بندے کا بنایا ہوا نہیں، کیونکہ ایسا کلام اللہ کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا ۔۔۔ یہاں ہم امرالقیس کے سارے معلقہ پر بحث نہیں کر سکتے۔ اتنا وقت نہیں بلکہ مثال کے طور پر اس کے دو ایک شعروں پر کلام کرتے ہیں، سبعہ معلقہ کا پہلا شعر یہ ہے :

قفا نبک من ذکری حبیب ومنزل بسقط اللوی بین الدخول فحومل

پہلا حصہ شعر کا تشبیب ہے، یعنی معشوقہ کی جدائی پر اظہار غم اور داستان عشق کا بیان تو امرالقیس پہلے شعر میں کہتا ہے قفا اے میرے دو ساتھیو ٹھہر جاؤ۔ مخاطب دو ساتھی ہو گئے اور ایک وہ خود ہوا تو تین ہو گئے۔ اور مقصد یہ ہے کہ ہم محبوب پر اظہار غم کریں۔ حالانکہ یہ مقتضیٰ حال کے خلاف ہے۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ اظہار غم اور بیان کیفیت عشق صرف تنہائی میں ہوتا ہے۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ اس نے اپنے عشق اور محبوبہ پر رونے میں دو مزید ساتھیوں کو شریک کر لیا حالانکہ ایک عاشق کب گوارا کر سکتا ہے کہ میرے معشوق میں دوسرا بھی شریک ہو جائے اور امرالقیس نے دوسرے کو شریک کیا۔ ایسی بات بڑی بے غیرتی سمجھی جاتی ہے۔ شعر پر تیسری تنقید یہ ہے کہ اس وجہ سے روئیں کہ منزل کے نشانات ابھی تک نہیں مٹے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی مقتضائے حال کے خلاف ہے۔ اگر واقعی عشق ہو تو نشانات مٹنے کی صورت میں بھی اظہار غم کیا جاتا ہے۔ یہی حال امرالقیس کے قصیدہ کے سب سے بہترین شعر کا ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں :

کلانا اذا ما نال شیئا افاتہ ومن یحترث حرثی وحرثک یھزل

کلانا میں خطاب بھیڑیا کو ہے اور یہ بھی مقتضائے حال کے خلاف ہے۔ کیونکہ بھیڑیا کو شجاعت میں اپنے ساتھ شریک ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ شجاعت و سخاوت میں تفرد ہونا چاہیئے۔ دوسرا یہ کہ سخاوت اس وقت ہوتی ہے کہ کوئی چیز ہاتھ میں ہو یا نہ ہو اور سخاوت کرے اور امرالقیس کہتے ہیں اذا ما نال شیئا کہ جب ہاتھ میں کوئی چیز آئے تو سخاوت کریں گے۔ قرآن شاہد ہے کہ ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ یہ تھا صحابہؓ کا ایثار کہ کچھ ہو یا نہ ہو وہ سخاوت کرتے تھے۔ کہ ان پر اعتراض نہ ہو ۔۔۔ اس کے بعد اس دلیل پر ہم یورپ اور امریکہ کے بعض مستشرقین کے کچھ اعتراضات نقل کر کے اس کا ازالہ کریں گے۔

(باقی آئندہ)